مولانا سید عبد القدوس ندوی ہاشمی اسلام آباد

مستشرقین اور اسلامی تحقیقات

وہ کیا چاہتے ہیں ــــــ ؟

ادوار ــــ اور ــ مقاصد

مقالہ نگار صاحب علم وفضل بزرگ ہیں انہوں نے اس اہم موضوع پر اپنا یہ مقالہ ۳۰ ستمبر کو راولپنڈی کے اجتماع شام ہمدرد میں پڑھا تھا جس میں اس حقیقت کو اجاگر کرنے کی سعی کی گئی کہ مستشرقین کی اسلامی تحقیقات سے دلچسپی اور شغف رکھنے کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ استعمار کے لئے راستہ کی ہمواری، مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا، قرآن و سنت اور اسلام کے مبادیات میں شکوک اور شبہات پیدا کر کے مسلمانوں کو اپنے علمی و دینی سرچشموں سے برگشتہ کرنا ہے۔

(ادارہ)

یہودیوں اور عیسائیوں کا واسطہ مسلمانوں سے بالکل ابتدائی دور میں ہو گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مکی دور ہی میں یہودی اور عیسائی دین اسلام پر اعتراضات کی ابتداء کر چکے تھے اور مخالفت کرنے میں وہ قریش کے بت پرستوں کے ہمنوا تھے۔ مدینہ منورہ کے دس سالہ دور میں یہ مخالفت اور زیادہ شدت اختیار کر گئی۔ خصوصاً یہودیوں کی مخالفت اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ قرآن حکیم کے وحی الٰہی ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی صادق ہونے کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات ان کی طرف سے ہوتے رہے۔ قرآن مجید کی مکی اور مدنی آیتوں میں ان کے بعض اعتراضات اور جوابات کا ذکر موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت صدیقی و فاروقی میں ان لوگوں سے مسلمانوں کو ہر جگہ واسطہ پڑا۔ اور عراق و شام کی فتوحات نے تو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی راہیں پوری طرح کھول دیں۔ عیسائی علمائے مذہب نے اس زمانہ سے بطور مہم کے اسلام اور اس کی تعلیمات سے واقفیت پیدا کرنے اور قرآن مجید اور سیرت رسول کے متعلق طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے کی ابتداء کر دی تھی۔ مگر اس زمانہ میں ان کی

طرف خود عیسائی بھی کچھ زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بازنطینی حکومت کی سخت گیری کے مقابلہ میں مسلمانوں کی رواداری اور آزادی نے مفتوحہ علاقوں کی غیر مسلم آبادی کے لئے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ لوگ مسلمان فاتحین کی آمد کو "خدا کی رحمت" سے تعبیر کرتے تھے اور اپنے متعصب مذہبی پیشواؤں کی طرف لوگ کم ہی توجہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ مصر و شام کے عیسائی اور یہودی علماء اور پیشوایانِ مذاہب اس کے مقابلہ میں بے دست و پا سے ہو گئے تھے۔

ولید بن عبد الملک (۸۶ - ۹۶) کے دور میں کاشغر، بخارا اور سندھ فتح ہو گیا، اور اس زمانہ میں اندلس بھی ممالکِ اسلامیہ میں شامل ہوا۔ اب اہلِ یورپ سے مسلمانوں کا براہ راست تعلق قائم ہو گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی یورپ کے زائرین بڑی تعداد میں بیت المقدس میں کنیسۂ قیامت اور ولادت گاہِ مسیح کی زیارت کیلئے جاتے تھے بلکہ بہت سے یورپین طلباء بیت المقدس اور دمشق میں رہ کر علم حاصل کرتے تھے مگر ان کا تعلق اتنا گہرا اور ایسا دوامی نہ ہوتا تھا جیسا کہ اندلس کی فتح کے بعد سے ہو گیا۔

تفصیلات کے بیان کا یہ موقع نہیں، غرض یہ ہے کہ یورپ کے طالبانِ علم کا تعلق اور عیسائی و یہودی پیشوایانِ مذہب کی اسلام کے خلاف، علم فلسفہ اور تحقیقات کے نام سے، مساعی بالکل ابتدائی دور اسلامی ہی سے جاری تھیں۔ اور آج تک جاری ہیں۔ اس لئے ہم تاریخ کے کسی خاص وقت کو اس جد و جہد کا نقطۂ آغاز قرار نہیں دے سکتے۔ البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے طریقے بدلتے رہے۔ مقاصد میں اگرچہ کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن کلیسا کا زور ٹوٹنے کے بعد سے کچھ ایسے مستشرقین ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے جرأت کے ساتھ اپنے ہی اساتذہ کی پھیلائی ہوئی بہت سی باتوں کو غلط قرار دیا اور پوری قوت کے ساتھ ان کی تردید کی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس تردید سے ان کا مقصد سچ کو سچ کر کے دکھانا تھا یا خود اپنی طرف سے پیدا کئے ہوئے شکوک کو قابلِ قبول قرار دینا تھا۔ اس لئے کہ ان تردید کرنے والوں میں سے اکثر نے جہاں اپنے پیش رو مستشرقین کے کذب و افتراء کی پوری قوت کے ساتھ تردید فرمائی ہے وہاں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دئیے ہیں۔ اور اتنی معصومیت کیساتھ دبی زبان میں کوئی نہ کوئی نئی بات کہہ گئے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت پر کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہو سکے۔

مثلاً لندن یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر علامہ ڈینس سورا اپنی کتاب "تاریخ الادیان" میں قرآن مجید

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے سروپا اعتراضات اور اپنے ماقبل کے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی جھوٹی باتوں کی پوری قوت کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۳۳ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے، وہ اپنے بیان میں اس قدر غیر متعصب اور بے لاگ مصنف نظر آتے ہیں کہ کسی کو ان کی نیت پر شبہ کرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی بلکہ وہ اچھے خاصے عقیدتمند کی طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"مذاہب کے عظیم بانیوں میں سے شاید محمدؐ ایک ہی شخص ہیں جن کی شخصیت تاریخی حیثیت سے بالکل واضح ہے اور خرافات نے ان کی شخصیت پر کوئی پردۂ خفا نہیں ڈالا ہے۔"

اور اس کے بعد عقیدتمندانہ انداز میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں کی تعریف کرتے ہیں بلکہ خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"بلاشبہ عرب کے لوگ جنوں اور روحوں کی پوجا کرتے تھے اور روحوں کے حجری مجسموں میں جاگزیں ہونے کے قائل تھے۔ ان کے علاوہ قبیلہ قبیلہ کے الگ الگ بت بھی ہوتے تھے۔ اسلام نے ان سب بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ صرف ایک حجر اسود کو باقی رکھا۔ شاید اس لئے کہ اس سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا احترام مقصود تھا یا شاید یہ ایک سیاسی عمل تھا جس کے ذریعہ عربوں کے باہمی اتفاق کو باقی رکھنا مقصود رہا ہو۔ (ص ۲۷۱ المستشرقون والاسلام مصنفہ زکریا ہاشم زکریا۔ طبع القاہرہ ۱۹۶۵ء)

آپ نے دیکھا کہ فاضل پروفیسر نے کس معصومیت کے ساتھ یہ یقین دلانے کی سعی فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی مصلحت کی بناء پر ایک "بت" کو باقی رکھا اور اس حد تک بت پرستی کو اسلام میں جائز قرار دیا۔ حالانکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی جب کہ سینکڑوں بت تھے کبھی حجر اسود کو بتوں کے زمرہ میں نہیں شمار کیا گیا اور نہ کبھی اس کی پوجا کی گئی۔ حجر اسود کا ذکر ہی کیا۔ اٹھارہویں صدی تک یورپ کے مستشرق اور محققین یہ لکھتے رہے اور مشہور کرتے رہے کہ مسلمان جو حج کو جاتے ہیں وہ اس لئے جاتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک برنجی بت بنواکر رکھ دیا ہے۔ مسلمان اس بت کو سجدہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں خود علمائے یورپ نے اس کی تردید کی اور ایک بار نہیں بار بار مختلف ممالک کے علماء نے اسکی تردید کی۔ تب یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہو سکا۔ یا شاید

اب بھی دور افتادہ دیہاتیوں میں یہ خیال موجود ہو۔

بہر حال جیسے جیسے علم کی روشنی پھیلتی گئی، عربی کی کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہوتی رہیں۔ اور یہ انتہائی حق ناشناسی ہوگی کہ عربی کتب کے اصل مضمون کی تصحیح و اشاعت اور ان میں سے بہت سی کتابوں کے یورپین زبانوں میں ترجمہ کرنے کی جو عظیم الشان خدمت پچھلے پانچ سو سال کے اندر یورپ کے مستشرقین نے انجام دی ہے۔ اس سے انکار کیا جائے یا ان کو کمتر درجہ کا کارنامہ قرار دیا جائے۔ اس کے لئے سینکڑوں مستشرقین نے اپنی عمریں صرف کیں۔ حکومتوں اور بادشاہوں نے لاکھوں روپے خرچ کئے۔ دولت مندوں نے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے اور آج عربی کی بڑی بڑی اہم کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ان میں سے بہت سی کتابیں وہی ہیں جو ان ہی مستشرقین کی مساعی جمیلہ سے پہلی بار طبع ہو کر ہمارے ہاتھوں میں آسکی ہیں۔ اس طرح افترا پردازی کا وہ بادل بھی آہستہ آہستہ چھٹ رہا ہے جو صدیوں تک قدیم مستشرقین اور پیشوایان مذاہب کے بیانات اور ان کی تحریروں سے یورپین ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔ اب تحریروں کے انداز اور مستشرقین کے تحقیقات اسلامی کا طریقہ کسی نہ کسی قدر بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ اگرچہ اب بھی مقاصد میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ اب بھی مقاصد میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں دکھائی دیتی ہے۔ پادری زدیر کی "تحقیقات اسلامی" اور ڈاکٹر کینٹویل اسمتھ کی "تحقیقات" میں مقاصد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ملتا۔ دونوں کی تحقیقات کو دیکھ لیجئے۔ مقصد وہی استعماریت کی تائید اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کی سعی ہے۔

چار ادوار مستشرقین یورپ کی اسلامی تحقیقات کو ہم سہولت مطالعہ کے لئے چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ پہلا دور ابتدائے تاریخ اسلامی یعنی ساتویں صدی مسیحی یا گریگوری سے لے کر پندرہویں صدی مسیحی یعنی بیداری یورپ تک۔

۲۔ دوسرا دور پندرہویں صدی کی ابتدا سے اٹھارہویں صدی کے اختتام تک۔

۳۔ تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتدا سے بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی کے ختم یعنی ۱۹۲۵ء تک۔

۴۔ چوتھا دور ۱۹۲۶ء سے آج تک۔

دور اوّل میں یورپ کی حیثیت شاگردوں کی سی ہے اور مسلمانوں کی حیثیت استادوں کی سی۔ یہ دور تقریباً آٹھ سو سال کے طویل زمانہ پر مشتمل ہے۔ اس دور میں مسلمان اندلس میں صقلیہ میں اور

جنوبی ایطالیہ میں حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے، ان کے بڑے بڑے علماء اور فلسفی ان علاقوں میں موجود تھے۔ اس وقت علم اور تمدن کے مالک مسلمان تھے۔ ان ہی کی تہذیب، تہذیب تھی اور ان ہی کے علوم، علوم شمار کئے جاتے تھے۔

اس دور میں عیسائیوں اور خصوصاً یورپ کی ساری علمی زندگی پر ارباب کلیسا کا قبضہ تھا۔ پاپائے اعظم اور ان کے نائبین مسلمانوں سے مختلف علوم حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے اور عربی کتب و رسائل جمع کرتے تھے اسلامی قوانین کا تھوڑا بہت مطالعہ اس دور کے آخری حصہ میں کیا گیا۔ طب، فلسفہ، فلکیات، زراعت، اور قانون پر مسلمانوں کی تصانیف کا ترجمہ لاطینی اور فرنچ زبانوں میں ہوا۔ ابن رشد اور جابر بن اسحاق اور ابن سینا کی کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ یہ کام عموماً ایطالیہ میں اور کسی قدر فرانس میں ہوا۔ لیکن نیابت دانائی کے ساتھ فارابی کو "فاربس" ابن رشد کو "ایوی روس" جابر کو "جیبر" اور ابن سینا کو "اوی سینا" بنا دیا گیا۔ اور طلباء کو یہ کبھی نہیں بتایا گیا کہ یہ لوگ یورپین عیسائی نہیں بلکہ مسلمان تھے۔ اگرچہ یہ راز زمانہ مابعد میں راز نہ رہ سکا۔ لیکن یورپ کے کچھ نہ کچھ لوگ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ یورپین تھے اور مذہباً مسیحی تھے۔

اس دور میں مسلمانوں اور دین اسلامی سے متعلق بڑے عجیب عجیب ہیبتناک قصے ارباب کلیسا کی طرف سے پھیلائے گئے۔ کچھ مسلمانوں کی سفاکی کے قصے اور کچھ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے سروپا افسانے خوب خوب گھڑے گئے اور اسی زمانہ میں یورپ والوں کو یہ باور کرایا گیا کہ مسلمان مکہ میں رسول اللہ کے برنجی بت کو سجدہ کرنے کیلئے جایا کرتے ہیں۔

اس زمانہ کے اجلائے مستشرقین میں سب سے اوّل نام "جربردی اورلیاک" ایک فرانسیسی راہب کا ملتا ہے۔ یہ فرانس میں ۹۳۰ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۰۰۳ء میں بمقام ویٹکن وفات پائی۔ اس نے اندلس کے مدارس میں برسوں رہ کر تعلیم حاصل کی اور اپنی قابلیت کی وجہ سے واپس آکر فرانس و ایطالیہ میں بڑا نام پیدا کیا۔ واپسی پر وہ ایطالیہ میں مستقل اقامت گزیں رہا۔ حتیٰ کہ ۹۹۹ء میں وہ پاپائے اعظم کے جلیل القدر عہدہ پر منتخب ہو گیا۔ اس نے دو عربی مدرسے قائم کئے اور فلکیات و ریاضیات کی بعض کتابوں کے عربی سے ترجمے بھی کئے۔ اس کے تراجم و تصانیف کا مجموعہ ۱۸۹۹ء میں برلن سے شائع ہوا ہے۔ (نجیب العقیقی۔ المستشرق ون۔ ج۔ ۱ ص۱۱۰ طبع مصر ۱۹۶۴ء)

اس دور کے مستشرقین "اورلیاک" کے علاوہ قسطنطین الافریقی المتوفی ۱۰۸۰ء ادجودی سانتا۔ ڈی کویل۔ ایڈیلارڈ۔ پطرس۔ یوحنا۔ رابرٹ۔ ہرمان۔ ڈینیل مورلے۔ میکل اسکاٹ۔ لیونارڈ۔ تھامس

ڈی الگوین، روجر بیکن اور رینڈلیو وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ یہ سب اندلس صقلیہ اور دیگر اسلامی ممالک کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ اور بہت سی عربی کتابوں کے فرنچ اور لاطینی میں ترجمے کئے ہیں۔ تقریباً یہ سب راہب یا کلیسا کے خدام ہیں۔

اسی دور کا ایک بڑا فاضل اے تورمیدا بھی ہے جس نے ایطالیہ میں تعلیم حاصل کی۔ بہت دنوں تک عیسائی خانقاہ کا مرشد اعلیٰ رہا۔ اس کے بعد تونس چلا گیا۔ وہاں صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔ اور عبداللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ وہیں تقریباً اسی سال کی عمر میں ۸۳۲ھ/۱۴۳۲ء میں وفات پائی۔ اس کی قبر تونس میں باب المنارہ میں ہے۔ (حوالہ سابق ص ۱۳۲)

شیخ عبداللہ تورمیدا کے علاوہ اور بہت سے اطالوی اور فرنچ مستشرقین نے مطالعہ کے ذریعہ دین حق کو پالیا اور مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے اسلام پر لاطینی اور فرنچ میں کچھ رسالے بھی لکھے تھے۔ خدا جانے کہ یہ رسالے اب کہیں موجود ہیں یا ضائع کر دئے گئے۔

۲۔ دوسرا دور جو یورپ کی بیداری پندرھویں صدی مسیحی سے اٹھارہویں صدی کے ختم تک تقریباً (۳۰۰) سال پر مشتمل ہے دولت عثمانیہ ترکیہ کی اقبال مندی کا زمانہ ہے۔ ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور بہت سے ممالک یورپ عثمانیوں کے زیر نگین آ گئے۔ دوسری طرف یورپ میں عام بیداری پیدا ہوئی۔ کلیسا کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر طرح کی سیاسی تعلیمی اور سماجی اصلاحات شروع ہوئیں۔ اور ان کا لب ولہجہ بھی اسلام کے خلاف بہت ہی تلخ ہو جاتا ہے۔ یہ تلخی عثمانی فتوحات کے خلاف جذبات نفرت کی پیداوار ہے۔

اس دور میں ان کے کارنامے یہ ہیں کہ انہوں نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر عربی کتابوں کے قلمی نسخے نکالے اور ان کو طبع کر کے شائع کیا۔ ان کے ترجمے کئے اور اس کے لئے بادشاہوں نے خزانوں کے دروازے کھول دیئے۔ عالموں نے اپنی عمریں وقف کر دیں۔ ان کارناموں کے علاوہ خود یورپین زبانوں میں اسلام پر اس دور میں بکثرت کتابیں لکھی گئیں اور مطبع کی ایجاد نے ان کتابوں کی بکثرت اشاعت کو آسان کر دیا۔

اس دور میں یورپین اقوام نے مشرق کی سرزمین ایشیا و افریقہ پر قبضہ جمایا۔ مستعمرات اور یورپین مقبوضات کا یہی زمانہ ہے۔ انڈونیشیا، ملایا، ہندوستان، سومالیہ اور جنوبی اور مغربی و مشرقی افریقہ پر نیدرلینڈ، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور اطالیہ کے تسلط کی ابتداء اس دور میں ہوئی جن علاقوں پر ان استعمار پسندوں نے قبضہ کیا تھا ان میں سے اکثر میں مسلمانوں کی بڑی بڑی ہی نہیں بلکہ اکثریت کی آبادیاں تھیں۔

وہ کیا چاہتے ہیں۔

قبضہ اور تسلّط قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کی زبانیں سیکھی جائیں ان کے عقائد و روایات سے واقفیت حاصل کی جائے۔ ان کو آپس کے اختلافات میں الجھایا جائے۔ ان میں مذہبی تشخص کو کم کرنے کے لئے ان کے یقین کو شک سے بدل دیا جائے۔ ان کے ایمان و عقیدہ کو وہم اور غیر ثابت شدہ حقیقت قرار دیا جائے۔

ان مقاصد کے لئے یورپین ممالک خصوصاً فرانس و جرمنی نے بڑی جدوجہد کی۔ اس وقت ان کے سامنے اہم ترین مسئلہ ایک یہ بھی تھا کہ دولتِ عثمانیہ کی قوت کو کسی طرح توڑا جائے اس کام کیلئے یہ ضروری تھا کہ عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت اور دشمنی پیدا کر دی جائے اور نہ صرف پیدا کر دی جائے بلکہ اس منافرت کو دوامی صورت دے دی جائے۔ اس مقصد کے لئے فرانس کے بادشاہ لوئیس ۱۴ نے بے دریغ دولت صرف کی مستشرقین اور مشرق شناسوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر ان سے عربی قومیت، عربی تمدن، عربی رسم و رواج اور عربوں سے متعلق دوسرے امور پہ کتابیں لکھوائی گئیں، عربوں کی تعریف و توصیف کے گیت گائے گئے۔

اس زمانہ کے مستشرقین کا بہت بڑا طبقہ یہ باور کرانے کی دھن میں لگا ہوا نظر آتا ہے کہ اسلام سے پہلے ہی عرب بڑی عزت و شان کے مالک تھے۔ اسلامی تاریخ عربوں کے مجد و شرف کی تاریخ کا محض ایک باب ہے۔ اب تک جو تاریخیں لکھی جاتی تھیں وہ مسلمانوں کی تاریخ ہوتی تھی۔ عربوں کی الگ تاریخ کوئی نہیں لکھتا تھا۔ لیکن اس دور کی آخری دو صدیوں میں عربوں کو ترکوں کے خلاف تیار کرنے کی منظم جدوجہد یورپین حکومتوں نے مستشرقین کے ذریعہ شروع کی۔ عربی ممالک میں تحقیقاتی وفود کی ابتدا ہوئی۔ آثار قدیمہ نکالے جانے لگے۔ اور عربوں کو وطن قومیت کے لئے تیار کیا جانے لگا۔ جس کا نتیجہ تقریباً سو سال کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں خاطر خواہ نکلا۔

اس دور کی آخری دو صدیوں میں اسلام کے خلاف کتابوں اور رسالوں کی تالیف و اشاعت کا کام ایطالیہ اور فرانس تک محدود نہ رہا بلکہ ان ہی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والوں کے ذریعہ یورپ کے دوسرے ممالک تک پھیل گیا۔ خصوصاً جرمنی اور نیدرلینڈ میں مطابع قائم ہوئے اور لوگ اس سلسلہ میں کام کرنے لگے۔ آخر میں انگلستان میں تعلیمی اور اشاعتی ادارے قائم ہوگئے۔

اس دور کے مشاہیر مستشرقین میں اولین نام مسٹر جی پوسٹل کا آتا ہے۔ یہ نارمنڈی کے ایک قصبہ بارنٹوں میں ۱۵۰۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸۱ء میں وفات پائی۔ ان کو بادشاہ وقت نے جاگیر بھی دی تھی۔ انہوں نے ترکی اور دیگر اسلامی ممالک کے سفر کئے۔ بہت سی قلمی کتابیں خریدیں اور

عربی و عبری زبان دانی اور مسلمانوں کے عقائد و رسوم پر متعدد کتابیں لکھیں۔ یہ ایک مذہبی پیشوا تھے اور مذہب عیسوی میں بعض باتیں پیدا کرنے کے جرم میں حکومت فرانس نے انہیں قید کر دیا تھا۔ ان کی وفات بھی قید خانہ میں ہوئی۔ ان کے علاوہ اس دور کے مشاہیر مستشرقین میں بی ویٹیر (۱۶۱۳ ۔۔ ۱۳۶۷) بی ڈی بر بیلو (۱۶۲۵ ۔ ۱۶۹۵) انطون گالان (۱۶۴۶ ۔ ۱۷۱۵) پادری رینارڈو (۱۶۴۷ سے ۱۷۲۰) اور پادری بار تیلمی (۱۷۱۶ ۔ ۱۷۹۵) وغیرہ نے اپنے اپنے انداز میں اسلام پر کتابیں لکھیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ کلیسا کا طلسم ٹوٹا اور اس دور کے آخر میں کچھ ایسے مستشرقین بھی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنے پیشرو مستشرقین کی تردید کی۔ اور ساتھ ہی کچھ نہ کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دیئے۔

تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے ۱۹۲۵ء تک ہے۔ اس دور میں عربی کتابوں کی تصحیح اور اشاعت کا کام زیادہ وسعت کیساتھ پیدا ہوا۔ یورپ کی تقریباً ہر بڑی یونیورسٹی میں عربی اور اسلام کے مطالعہ کے لئے خاص شعبے قائم ہوئے۔ عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت پیدا کرنے کی مہم بہت تیز کر دی گئی۔ اسلامی کتابوں کے ترجمے بکثرت شائع ہوئے۔ اس زمانہ میں اسلامی تحقیقات کے نام سے مسلمانوں کے اندرونی اختلاف اور جدید فرق اسلامیہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ عربی قلمی کتابوں کی تشریحی فہرستیں شائع ہوئیں۔ تقریباً ہر ملک میں ایشیائی سوسائٹیاں وجود میں آئیں۔

اس دور کے مستشرقین عربی متون کی تصحیح اور علوم ریاضیہ و تجربیہ کے تراجم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دو مقاصد کے لئے کام کرتے نظر آتے ہیں۔ (اوّل) عربوں اور غیر عربوں میں تفریق کے لئے عربوں کی تعریف و توصیف اور غیر عرب مسلمانوں پر الزامات کا التزام اور (دوم) مسلمانوں کی روایات اور ان کی تاریخ کو ناقابل اعتبار قرار دینے کی مساعی۔

اس دور میں قرآن مجید کے متعدد ترجمے ہوئے، قرآن مجید کے الفاظ کی فہرستیں اور لغات القرآن بکثرت تیار کئے گئے۔ مسٹر جی فلوگل (۱۸۰۲ ۔ ۱۸۷۰) اور مسٹر ہملٹن المتوفی ۱۸۲۴ء مترجم ہدایہ اسی دور کے علماء ہیں۔ اس دور کے مشہور مستشرقین میں سے ایڈورڈ ریہاسٹک (۱۸۱۹ ۔ ۱۸۹۱) مسٹر ہیوز مصنف ڈکشنری آف اسلام۔ تھامس کارلائل۔ ولیم ہوک مارسے۔ ایڈورڈ ہامنہ۔ ابلی اسمنٹ۔ پادری ڈروم۔ سی۔ ای ولسن گولڈزیہر۔ پادری کوشکو۔ جان جاک سدیلو۔ لیونے کائیتانی۔ پادری فاکاری۔ لازیون۔ بلاشیر اور نالینو وغیرہ ہم ہیں۔

مشہور پروفیسر بامر اور ان کے نامی گرامی شاگرد کرنل لارنس آف عربیا اسی دور کے بزرگ ہیں چوتھا دور ۱۹۲۶ء میں امیر کائیتانی کی وفات سے اب تک ہے۔ اس دور میں تحقیقات اسلامی

کا کام جن مستشرقین نے کیا ان میں نولدیکے اور ان کے شاگرد علامہ بروکلمان اور پروفیسر سخاؤ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح تھامس آرنلڈ، مسٹر جیکس، مونٹ، گمری واٹ۔ پروفیسر گویام۔ لی اسٹونج۔ مسٹر یمیب۔ مسٹر انڈوسن۔ پروفیسر مارگولیتھ، ڈینی راس۔ مسٹر اولیری۔ مسٹر لوکارٹ۔ مسٹر براؤن مسٹر ہلٹن گب۔ مسٹر لنڈاؤ اور مسٹر لوئیس وغیرہ ہم نے تحقیقاتِ اسلامی کا کام کیا اور کر رہے ہیں۔ پادری زویمر المتوفی ۱۹۵۲ء بانی رسالہ مسلم ورلڈ بھی اس دور کے ہیں جن کے متعلق خود مستشرقین کی یہ رائے ہے کہ ان کے تعصب نے ان کی تصنیفات کا علمی مرتبہ ہی ختم کر دیا۔

اس دور میں تحقیقاتِ اسلامی کا دائرہ فقہ، اصولِ فقہ تک وسیع ہو گیا۔ اسلامی فرقوں کے حالات اور ان کے افکار کی طرف توجہ بڑھا دی گئی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی ان موضوعات پر کچھ نہ کچھ کام مستشرقین نے کیا ہے مگر اس عہد میں توجہ ان موضوعات اور تصوفِ اسلامی کی طرف زیادہ ہو گئی ہے۔ اس دور میں ایک بات یہ بھی پیدا ہو گئی کہ بڑی حکومتیں خدا بیزاری اور مذہب سے نفرت کے اصول پر قائم ہوئیں۔ اس کی طرف توجہ ۱۹۲۵ء کے بعد سے ہوئی اور ۱۹۴۵ء کے بعد تو خدا بیزار مملکتوں کا مسلسل پروپیگنڈا خود عیسائیت کے لیے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گیا۔ اس لئے باستثنائے چند مستشرقین یورپ کا لب ولہجہ اسلام کے خلاف یاوہ گوئی میں نسبتہً نرم ہو گیا اور اس وجہ سے مذاہب کی کانفرنسوں۔ تقریروں اور مقالات صلح وآشتی میں اضافہ ہو گیا ہے اگرچہ اس صورتِ حال کا اثر سب پر نہیں پڑا۔ پادری سموئل زویمر اور ان کے ہمنوا پوری طاقت کے ساتھ اسلام قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھتے رہے وہ اپنے لب ولہجہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکے۔ مگر پھر بھی دیگر مستشرقین کا ایک بڑا طبقہ اس خطرہ کو محسوس کر کے اپنی تحریروں کو مصلحتاً کسی قدر نرم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

مقاصد: کسی ذی ہوش آدمی کا ارادی عمل بغیر علتِ غائی یعنی مقصد عمل کے ممکن نہیں ہے اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ مستشرقین کا عمل تحقیقاتِ اسلامی کسی مقصد کے بغیر ہوتا رہا ہے یا ہو سکتا ہے، یقیناً یہ ساری محنت اور حکومتوں اور اوقاف کیطرف سے اتنے بڑے پیمانہ پر کام بھی کوئی مقصد رکھتا ہے اور یقیناً ان اعمال کا کوئی مقصد ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مقصد صرف تلاشِ علم ہو سکتا ہے لیکن یہ خیال اس لئے محض باطل ہو جاتا ہے کہ ہم قدیم زمانہ سے اس کام میں زیادہ تر ان ہی حضرات کو منہمک پاتے ہیں جو عیسائیت کے پرجوش مبلغ ہیں اور آج تک اکثریت ان ہی مبلغین کی، اس کام میں مشغول نظر آتی ہے جو دین

مسیحی کے بہترین مبلغ ہیں۔ ذرا ان چند ناموں پر غور کیجئے یہ سب مسیحی پادری ہیں اور مدتوں تک مرتاض راہب رہ کر انہوں نے تربیت پائی ہے۔

پادری الیانو المتوفی ۱۵۸۹ء	پادری ریلیو المتوفی ۱۸۷۸ء
پادری مارٹن المتوفی ۱۸۸۰ء	پادری بلن المتوفی ۱۸۹۱ء
پادری ایوجی المتوفی ۱۸۹۵ء	پادری گوشش المتوفی ۱۸۹۵ء
پادری ڈی کوپر المتوفی ۱۹۰۴ء	پادری جولیان المتوفی ۱۹۱۱ء
پادری بروبر المتوفی ۱۹۱۶ء	پادری میکارتھی المولود ۱۹۱۳ء
پادری بولومواسے المتوفی ۱۹۲۹ء	پادری زیموفلین المتوفی ۱۹۲۸ء
پادری ڈیورنڈ المتوفی ۱۹۲۸ء	پادری مالون المتوفی ۱۹۳۴ء
پادری لامنس المتوفی ۱۹۳۷ء	پادری کولنگیٹ المتوفی ۱۹۴۳ء
پادری لاپیرے المتوفی ۱۹۵۰ء	پادری مونٹوڈے المولود ۱۸۸۰ء
پادری ہنری چارلس المولود ۱۹۰۰ء	پادری فلیش المولود ۱۹۰۴ء

یہ سب مبلغ (مشنری) اور پادری ہیں اور کلیسا کے مذہبی عہدہ دار ہیں۔ انہیں بیش قرار تنخواہیں کلیسا اور اوقاف کلیسا سے ملتی رہی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایک مسیحی راہب اور کلیسا کا عہدہ دار کلیسا کی تنخواہ لے کر اسلام پر تحقیقات کسی مقصد اور کسی جذبہ کے ماتحت کر سکتا ہے۔ اور یورپ کی استعماری حکومتوں نے ان پر جو کروڑوں روپے خرچ کئے یا کر رہی ہیں۔ ان کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔؟ عربی زبان سے ریاضیات، فلکیات، کیمیا۔ طب نباتیات اور حیوانیات کی کتابوں کے ترجمے کرنے والوں کو شاید یہ کہہ دیا جائے کہ محض تلاش علم کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں یا کرتے رہے ہیں۔ لیکن ایسے حضرات بہت ہی کم ہیں اور ہمارے موضوع سخن سے اس مقالہ میں یہ لوگ خارج ہیں۔ اسلامی عقائد۔ قرآن حکیم۔ اسلامی تاریخ، سیرۃ رسولؐ اور اسلامی تصوف پر تحقیقات کرنے والے ان مسیحی خانقاہ نشینوں اور مبلغوں کا مقصد صرف تلاش علم و ہنر کیسے ہو سکتا ہے۔؟

مستشرقین کی اسلامی تحقیقات کا مقصد جو ان کی تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ۔ استعمار کے لئے راستہ کی ہمواری اور مسلمانوں میں تفریق پھیلانے کی جدوجہد کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اس مقصد کے لئے۔ وہ بڑے خلوص اور تندہی سے کام کرنے

ہیں۔ تحقیق کے نام سے منافقوں اور اسلام دشمن اشخاص کے قدیم اقوال ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے ہیں۔ اور چونکہ عرب عیسائیوں اور یہودیوں کے اکثر نام مسلمانوں کے سے ہوتے ہیں۔ اس لئے بڑی آسانی کے ساتھ وہ دھوکہ دینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں مسلمان حکومتوں میں ہمیشہ سے آزادی رائے دی ہے۔ اس لئے ہزاروں یہودیوں اور عیسائیوں نے طرح طرح کی فضول اور مضر تحریریں لکھی ہیں اور آج یہ تحریریں اسی طرح پیش کی جاتی ہیں۔ جیسے کسی مسلمان عالم دین کی لکھی ہوئی کتاب ہو۔ اس کے علاوہ خود مسلمانوں میں کچھ لامذہب اور زندیق قسم کے افراد بھی داخل یا پیدا ہوتے رہے ہیں، یہ لوگ ان کی تحریروں پر خاص توجہ کرتے ہیں۔ مثلاً بشار بن برد، ابونواس جیسے مشاہیر فساق اور زنادقہ کی تحریریں کتاب الاغانی کتاب اخوان الصفا ابونعیم کی کتاب الفتن اور اس قسم کی دوسری کتابوں سے مواد لیتے ہیں۔ بعض بالکلیہ جعلی کتابیں جو کسی قدیم مصنف کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن ابن داؤد کی طرف منسوب کتاب "المصحف" زبیر بن بکار کی طرف منسوب کتاب "نسب قریش" بوعلی سینا کیطرف منسوب رسالہ "حشر الاجساد" وغیرہ ان کے مقاصد کے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ متونِ کتاب کی طباعت و اشاعت میں انہوں نے جو کام کیا ہے فہرست سازی اور اشاریہ نویسی میں جو محنتیں انہوں نے کی ہیں وہ لائق صد آفریں ان کی محنت و مساعی نے بہت سی نایاب اور قیمتی کتابیں چھپ کر ہمارے لئے قابل حصول ہوگئیں۔ لیکن جہاں انہوں نے ترجمہ وتحشیر کا کام کیا ہے یا یہ طور کوئی کتاب لکھی ہے۔ وہاں کبھی بالارادہ اپنے جذبہ عداوت کے ماتحت اور کبھی محض اپنی جہالت سے کتاب کو کیا سے کیا بنا کے بھی رکھ دیا ہے اور عجیب عجیب گل کھلائے ہیں۔ مثال کے لئے مشہور مستشرق فلوگل کو لیجئے انہوں نے قرآن مجید کا ایک نسخہ چھاپا الفاظ کی فہرست مرتب کی اور ۱۸۴۲ء میں ایک وسیع لغت الفاظ قرآن مجید کا شائع کیا۔ اس لغت میں انہوں نے ۳۹ الفاظ کے غلط عربی مادے لکھ دئے اور نتیجۃً معانی بدل ڈالے۔ مثال کیلئے ان پانچ الفاظ کو دیکھئے۔

۱۔ اثرن کا مادہ "ا۔ ث۔ ر" قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ث۔ و۔ ر ہے۔

۲۔ المخاص کا مادہ "خ۔ و۔ ص" قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل م۔ خ۔ ص ہے۔

۳۔ استبقوا کا مادہ "ب۔ ق۔ ی" قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل س۔ ب۔ ق ہے۔

۴۔ وقرن۔ کا مادہ "ق۔ ر۔ ن" قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ق۔ ر۔ ر ہے۔

۵۔ مقیلا کا مادہ "ق۔ و۔ ل" قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ق۔ ی۔ ل ہے۔

اس تبدیلی سے معانی بالکل بدل گئے۔ یہ وہ مسٹر فلوگل ہیں جن کو مستشرقین کے نزدیک سندِ مستند کا مقام حاصل ہے۔

چونکہ ہمیشہ سے یہ اعتراض مسیحیت پر کیا جاتا رہا ہے کہ انجیل مقدس کے نام سے جو کتاب پیش کی جاتی ہے وہ حضرت عیسیٰ کی غلط اور فرضی سوانحعمری ہے۔ اس میں ایک لفظ بھی وحی الٰہی کا نہیں ہے۔ اور یہ اعتراض بالکل صحیح ہے دنیا میں کہیں وحی الٰہی کا ایک لفظ بھی بجز نا قرآن مجید کے موجود نہیں ہے۔ یہ امر واقعہ ہے اس کا کوئی جواب عیسائی مبلغین کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے مستشرقین نے اپنی تحقیقات اسلامی کا سارا زور اس پر لگا دیا ہے کہ قرآن مجید بھی اصلی نہیں ہے۔ اور قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے وہ عجیب عجیب دلائل پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً علامہ گولڈ زیہر اپنی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ایک لفظ کی صحت بھی قابلِ اعتماد نہیں۔ کیونکہ ابتداً جب اسے لکھا گیا تو حروف پر نقطے نہیں تھے۔ اس لئے لوگوں نے نہ جانے کیا لکھا تھا اور کیا پڑھا۔

ذرا غور فرمائیے اس فاضل مستشرقین نے کیا بات پیدا کی ہے۔ جس قوم میں مادر زاد اندھے حافظ رہے ہوں اور جس میں آج تک استاد سے شاگرد کی طرف علم کی منتقلی بذریعۂ صورت و آواز ہو اس میں نقطہ کی اہمیت کیا ہے۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے آواز سنتے تھے۔ یا لکھی ہوئی تحریروں سے قرآن مجید یاد کرتے تھے۔ اور آج تک کسی مسجد اور کسی مدرسے میں قرآن مجید بغیر معلم کی آواز کے بلیک بورڈ پر لکھ کر پڑھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی آواز۔ مد۔ سکون۔ وقف۔ سکتہ یہ سب کچھ بذریعہ روایت محفوظ ہے اس کے لئے حروف اور نقطہ کی ضرورت بھی کہاں پڑتی ہے۔؟
شاید علامہ گولڈ زیہر کا مقصد یہ ہے کہ جب وحی آتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لکھوا کر اس لئے محفوظ فرما دیتے تھے کہ لوگ آکر مسجد میں رکھے ہوئے اس نوشتہ کو پڑھ لیا کریں۔ اور آپ کسی کو زبان سے کچھ نہیں سنایا کرتے تھے۔

یہی ہوتا تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی نے قرآن مجید کیسے یاد کیا۔ اور نا حرف شناس تو بہت سے حافظ قرآن صحابہؓ میں موجود تھے۔

اسی طرح کی مہمل دلیلوں اور مغالطوں کے ذریعہ حضرات مستشرقین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تورات شریف اور انجیل مقدس کی طرح قرآن مجید بھی دنیا سے ناپید ہو گیا۔ اسی طرح سیرۃ طیبہ اسلامی تاریخ اور ائمہ اسلامی میں طرح طرح کے شک پیدا کرنے کی کبھی بالارادہ کوششیں کرتے ہیں۔ اور کبھی نقصِ مطالعہ اور غرورِ علم و فضل کی آمیزش سے ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں

سنیئے ایک مبلغ اور مستشرق ہیں "لوئی ونڈر مین" انہوں نے ایک علمی مجلس میں یہ اعتراض کیا کہ ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے گھر حضرت زبیرؓ اکثر جاتے تھے اور کبھی کبھی وہیں سو بھی جاتے تھے۔ ام المومنین ان کے سر میں کنگھی بھی کر دیتی تھیں حالانکہ اسلام میں کسی عورت کا غیر مرد سے اس طرح خلا ملا جائز نہیں ہے۔ اس اعتراض کے بعد جب انہیں بتایا گیا کہ حضرت ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ حضرت زبیرؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں اور ان ہی نے بچپن سے ان کو پالا تھا۔ کوئی غیر نہ تھیں تو نہایت معصومیت سے فرمایا: "اچھا یہ بات ہو گی"۔

مثالوں سے بات بڑی طویل ہو جائے گی۔ اس لئے اب میں اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے:-

۱۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو ہمیشہ ہی سے اس کا صدمہ رہا ہے کہ اسلام نے شام و عراق، مصر و مراکش وغیرہ میں کیوں قدم جمائے، اس کا انتقام لینے کیلئے انہوں نے تلوار کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی کام لیا اور کام لے رہے ہیں، اور ہمیشہ کام لیتے رہیں گے۔ مسلمانوں کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ شکایت کرنا بزدلی ہے۔ اور چوکنا رہنا ہوشیاری اور دانائی ہے۔

۲۔ عیسائی مبلغین جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ کسی مذہب کے مبلغ نہیں ہیں۔ کبھی وہ استعماری حکومتوں کے ہراول دستہ تھے اور اب یورپین تہذیب و تمدن کے نقارچی ہیں۔ جنہیں بیش قرار تنخواہیں سیاسی مصالح اور تجارتی مقاصد کی تکمیل کے لئے دی جاتی ہیں۔ یہ مبلغ بھی ہوتے ہیں اور پروفیسر بھی۔ اور کبھی کوئی اور روپ بھی دھار لیتے ہیں۔

۳۔ کسی کی بات کو بغیر تنقیح و تحقیق کے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے مستشرقین کے علم و فضل سے مرعوب ہو کر کوئی بات قبول کی جا سکتی۔ رہی اچھی اور سچی بات تو یہ دوست سے ملے یا دشمن سے، کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن اینما وجدت فھو احق بھا۔ (کلمہ حق مومن کا کھویا ہوا مال ہے، جہاں کہیں مل جائے مومن ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔)

■■

اسلام کا دیگر معاشی نظاموں سے موازنہ
علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ، کے قلم سے
سرمایہ داری، کمیونزم، سوشلزم پر زبردست تنقید اور اسی کے مقابلہ میں اسلام کے عادلانہ معاشی نظام پر سیر حاصل تبصرہ، بہترین کتابت و طباعت۔ قیمت ۲/ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ حکمت اسلامیہ نوشہرہ صدر